سہ ماہی
جی
جولائی، اکتوبر ۲۰۱۳ء / جلد نمبر ۱۱، ۱۲
جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم
پر سخن تا بہ لب نہیں آتا
لاہور
مسئلہ امامت، امارت اور خلافت
استعمار، تاریخ اور ہماری فکر
”ریاست“ کا معاصر بیانیہ!
مدیر: محمد دین جوہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشمولات

جولائی، اکتوبر ۲۰۱۳ء / جلد نمبر ۱۱، ۱۲

مدیر
محمد دین جوہر

نائب مدیر
نادر عقیل انصاری

مجلس ادارت
کاشف علی خان شیروانی
ڈاکٹر ظفر حیات
شاہد محمود

محمد دین جوہر، مدیر "جی" نے تایا سنز پرنٹرز، ریٹی گن روڈ، لاہور سے چھپوا کر حسن منزل، اردو بازار، لاہور سے شائع کیا۔

ضروری نوٹ:
اس شمارے میں قرآن حکیم کی آیات بھی شامل ہیں۔ ان کی درستی پر بساط بھر توجہ دی گئی ہے لیکن اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو براہ کرم ادارے کو مطلع فرمائیں۔

سہ ماہی جی لاہور ملنے کا پتہ:
کتاب محل
دربار مارکیٹ
لاہور
محمد فہد: 0321-8836932

برائے رابطہ، اظہارِ رائے و استفسار:
quarterlyjee@gmail.com

قیمت: ۱۵۰/روپے

قانونی مشیر:
کامنز لا کمپنی، نوائے وقت بلڈنگ، ۴۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

Commons Law Company, Nawa-e-Waqt Building
4-Shar'i Fatima Jinnah, Lahore

ہم عصر دنیا اور ہماری صورت حال

احمد جاوید

اب ہمارے یہاں صورتحال یہ ہے کہ جو prevailing religious thought ہے، وہ عملاً دین کو given معاشرے کے تابع بنارہاہے۔اور جس مکتب فکر کو روایتی یا قدامت پسند کہتے ہیں ، وہ دین کو معاشرت سے لاتعلق کررہاہے۔ تو ہم ایک عجیب مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ کسی بھی قدر پر مبنی زندگی کو، اُس قدر کے متعین کردہ ظواہر سے کاٹ کے گزار سکتے ہیں؟اب ان ظواہر کی تحقیر کر کے مذہبی فکر تشکیل دی جارہی ہے۔ اور دوسری طرف یہ ہے کہ آپ کسی بھی قدر کو اس کے set ظواہر تک محدود کر سکتے ہیں؟ کسی societal value کو؟ تو دوسری طرف یہ اصرار ہو رہاہے۔ تو بڑا ہی dilemma ہے، اور ہمیں اسے حل کرنا ہے یا فنا ہونا ہے !

میرا تعلق کچھ تبلیغی مشن کے لوگوں سے ہے، جو بیرون ملک پڑھے لکھے لوگوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔ تو اب بالکل واضح طور پر وہاں سے اشارہ مل رہاہے کہ طالبان اسلام سے نفرت پیدا کر رہے ہیں، یعنی ان ذہنوں میں، جن میں مذہبیت پائی جاتی ہے، یا جن میں اسلام کی پسندیدگی کا مادہ پایا جاتاہے، West میں ایک بہت بڑی کلاس ایسی تھی جو اب نہیں رہی کہ اگر وہ مسلمان نہ بھی ہوتے تو مسلمانوں کے لیے helping ہوتے۔ طالبان تو یہ کر رہے ہیں کہ غیر مسلم دنیا میں اسلام کی طرف رغبت کے ہر ممکنہ دروازے کو بند کررہے ہیں، اور خود مسلم سوسائٹی میں یہ ارتداد کا سبب بنیں گے۔ اسلام کو چھوڑنے کا اس وقت دنیامیں سب سے بڑا سبب یہ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مغرب میں (سوائے فرانس کے) لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، اور پھر واپس چلے جاتے ہیں، یا ابھی مسلمان ہوگئے، پرسوں بدھ مت کو اختیار کر لیا۔ تو ایسے لوگوں کی تعداد میں تقریباً ایک ہزار گنا اضافہ ہوگیا ہے ۔اور اول، تو مسلمان ہونے کا عمل ہی تقریباً رک گیا ہے، سوائے فرانس کے ۔ لیکن جو دوسری قبیل کے لوگ ہیں، وہ اسلام کو غیر مسلم کے لیے پرکشش اور ضروری نہیں رہنے دیتے۔ مطلب یہ کہ طالبان

کامیابی کے ساتھ اسلام کو پھیلنے سے روک چکے ہیں۔اور طالبان مخالف دینی فکر اسلام پھیلنے کا کوئی سبب اور ذریعہ بننے کی لیاقت نہیں رکھتی۔ ہم اس میں پھنسے ہوئے ہیں ۔کیونکہ ان کی جو اسلام کی presentation ہے وہ اسلام کو ناگزیر نہیں بنا سکتی۔کیوں ؟ اس لیے کہ کچھ اخلاقی اصول ہیں، کچھ عقلی مسلمات ہیں، کچھ بالکل قرونِ وسطیٰ کے ذہن پر بنے ہوئے مذہبی کلامی دلائل ہیں، جن کو مغرب میں اب اس طرح سمجھا جاتا ہے جیسے آپ کسی پرائمری اسکول کے بچے کی بات سن لیں۔ تو اگر آپ Augustinian logic پہ کھڑے ہو کے اسلام کو مغرب میں پیش کریں گے تو ظاہر ہے وہ مضحکہ خیز بات ہے۔کیونکہ اس logic کی وجہ سے ہی تو انہوں نے عیسائیت چھوڑی ہے۔ تو ہمارا جو جدید مذہبی فکر ہے اس کی logic پسماندہ ہے اور اس کی زندگی اسلام کی ترجمان نہیں ہے۔ بڑے مسائل ہیں۔

اب بجائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے پر حملے کریں، ہم سب کو اپنی اپنی موجودہ جگہ چھوڑنی پڑے گی۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے ۔فکر والوں کو عمل کی طرف آنا ہو گا، عمل والوں کو فکر کی طرف جانا ہو گا ۔اور اسلام کی جو active presence ہے، اس کے اصول کو سمجھنا ہو گا ۔اس کا اصول نہ فکری ہے، نہ قانونی ہے، اس کا اصول معاشرتی ہے۔ اسلام ایک societal presence رکھتا ہے جو نفس انسانی کے لیے fulfilling ہے۔ اور نفس انسانی کے لیے زندگی کا کوئی نظریہ اس وقت تک fulfilling نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنی بناوٹ میں معاشرتی نہ ہو۔ جب تک ہر نظریہ جس تبدیلی کا سلسلہ لے کر آتا ہے ناں اس کے مظاہر نہ پیدا کرے تو قبولیت نہیں ہوتی۔ہر نظریہ اپنی قبولیت کے لیے تبدیلی کے کچھ مطالبات کا مجموعہ ہوتا ہے ناں! تو جب تک آپ کے دین کی فہرست تبدیلی میں یا آپ کے دین کے نتائج تبدیلی میں پہلی تبدیلی معاشرتی نہیں ہو گی یعنی پہلی تبدیلی اگر اچھا آدمی بننا نہیں ہے، تو اس دین میں کوئی قابل قدر بات مخاطب کے لیے نہیں ہے ۔کیونکہ logic آپ کی پسماندہ ہے، ابھی تک بہت زیادہ پسماندہ ہے۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ وہاں کا جو ذہن ہے وہ ابھی براہ راست ٹکراؤ سے بوریت محسوس کرتا ہے۔ جیسے ایک اچھا کھلاڑی اناڑی کے ساتھ کھیلنا پسند نہیں کرتا، چاہے اناڑی اسے جتنا بھی غصہ دلائے! تو ہمارے اور ان کے ذہن میں اتنا فرق ہے کہ وہ ہماری بڑھکوں کا جواب اگر نہیں دیتے تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ وہ ساکت ہو گئے ہیں، بے بس ہو گئے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں سمجھتے کہ وقت ضائع کیا جائے۔ اب آپ کو ایک ایسے دشمن کا سامنا ہے۔ جو آدمی آج یہ نہیں سمجھتا کہ مغرب ہمارا دشمن ہے، وہ بہت شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ ممکن ہے کہ مغرب بیس برس پہلے تک ہمارا دشمن نہ ہو، یعنی اپنی بہترین طاقتوں کے ساتھ۔ مغرب اس وقت اپنے اداروں اور اپنی تمام معاشرتی طاقتوں کے ساتھ آپ کا دشمن ہے ۔اور ابھی وہ دشمنی کو مکمل کرنے

کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ ابھی اس نے پہلا فیز مکمل کیا ہے، یہ کہہ کر کہ آپ اس کے دشمن ہیں۔ اب وہ اس دائرے کو مکمل کرے گا اور ایک دن اعلان کردے گا کہ ہم تمہارے دشمن ہیں۔ تو یہ بہت جلد ہونے والا ہے۔ اس سے نمٹنے کی کوئی تیاری کرنی ہے۔ بندوق تو بہت چھوٹا خطرہ ہے، اور یہ جو ڈرونز کے حملے ہیں، مغرب کی طاقت کا ادنیٰ سا استعمال ہیں۔ وہ اس میں آپ کو الجھا کر، پیچھے پیچھے سے آپ کا پورا تہذیبی پس منظر اور تاریخ بدل ڈالیں گے ۔ برنارڈ لیوس وغیرہ کیا کام کر رہے ہیں؟ وہ آپ کو آپ کا دین tailor کر کے دیں گے! تین زبانوں میں تفسیر لکھی جارہی ہے۔ Quranic linguistics پہ جتنا بڑا کام ان لوگوں نے کیا ہے پچھلے ساٹھ برسوں میں، اتنا بڑا کام آپ کی کلاسیکل فکر نے بھی نہیں کیا۔ مطلب ہے کہ ان کا کام اتنا متاثر کن ہے ۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ بیسویں صدی کے شروع میں یا انیسویں صدی کے آخر میں گولڈزیہر وغیرہ آئے۔ انہوں نے حدیث پر سے آپ کا اعتماد ہمیشہ کے لیے متزلزل نہیں کر دیا ؟ اب قرآن مجید پر سے اعتماد متزلزل کیا جارہا ہے۔ وہ اس طرح کے سوالات اٹھا رہے ہیں کہ بھئی یہودی اور عیسائی وغیرہ تمہارے دوست کیوں نہیں ہوسکتے؟ ایسا کہنا کتنا unnatural ہے؟ اس پہ ایک فکر اٹھ کر کہے گی کہ نہیں وہ اس زمانے کے یہودی اور عیسائی تھے، آج کل کے یہودی اور عیسائی تو ہمارے جگر بند ہیں! میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ رائے غلط ہے یا صحیح ہے، یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ سے صحیح رائے بھی وہی نکلوائیں گے جو ان کے مفاد میں ہوگی۔ مغرب اس وقت افکار نہیں سکھا رہا۔ مغرب اس وقت وہ situation پیدا کر رہا ہے جہاں آپ کے ذہن سے وہی افکار نکلیں گے، جو ان کے مطلب کے ہوں گے۔ یہ ایک عجیب طرح کا سحر زدہ ماحول بنا دے گا۔ آپ کے نزدیک صحت کا معیار ہی اس situation تک محدود ہو کے رہ جائے گا، اور ہو چکا ہے۔ مطلب اگر اس سے کوئی انکار کر رہا ہے تو وہ بہت بے خبری میں ہے ۔

آپ کا پورا علم اور آپ کی آراء کا بنیادی مادہ بننے والا ماحول اور ذہنیت انہوں نے پیدا کر دی ہے۔ تو ظاہر ہے وہ ہری عینک آپ لگائیں گے تو ہر چیز ہری ہی نظر آئے گی، ہری ہی ہو جائے گی۔ وہ بس عینک لگا دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے نہ پڑھا ہو، اکثر لوگوں نے تو امید ہے پڑھا ہو گا، لارڈ میکالے کا جو برٹش پارلیمنٹ میں خطاب ہے۔ اس کے دو خطابات ہیں، وہ پڑھیں۔ لارڈ میکالے انیسویں صدی کا آدمی ہے جس نے برٹش انڈیا کے بارے میں کچھ تعلیمی اصلاحات تجویز کی تھیں۔ اس نے جو اپنی پارلیمنٹ میں خطاب کیا تھا، اپنی حکومت کو اپنی تجویز کردہ پالیسی کا قائل کرنے کے لیے۔ وہ خطاب تاریخ کو بدلنے والے چند خطابات میں سے ہے، اور اس نے ہماری تاریخ کو بدل دیا ہے ۔ تو اب ایک ہزار لارڈ میکالے ہیں۔ ایک لارڈ میکالے نے آپ کو بدل دیا۔ اب تو ایک ہزار ہیں۔ اب مغرب

آپ کے دین کو ایک state slogan رکھے گا، ایک societal force کبھی نہیں بننے دے گا۔ state slogan یعنی "اسلامی جمہوریہ پاکستان"، وہ کہیں گے اس کو سلیوٹ کریں۔ لیکن اگر ہم کہیں گے Islamic society of Pakistan ، تو وہ کہیں گے اس کو مٹاؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب اسلام کو ہم سے زیادہ سمجھتا ہے، اس کے نتائج کو، اس کی productions کو، وہ ہم سے بہت زیادہ سمجھتا ہے۔ یہ تو سطحی اور سرسری issues ہیں، کہ یہ طالبان کیا کر رہے ہیں اور القاعدہ کیا کر رہی ہے۔ یہ تو دو چار پانچ سال کا ایک factor ہے، یہ دو چار پانچ سال میں ختم ہی ہو جائے گا۔ لیکن اصل چیز ان کے پیچھے ہے۔ اور ابھی وہ Bernard Lewis نے بیان کیا، کہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ آسانی سے خریدا جاسکتا ہے۔ یہ کتنا شدید تھپڑ ہے ہمارے منہ پہ! کہ ان کو خوشحالی کا لالچ دے کر یا خوشحالی کے وسائل دے کر اپنے دین سے برگشتہ کیا جاسکتا ہے، اپنے دین کو تبدیل کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ طالبان وغیرہ تو ابھی دو چار حملے ہوں گے، تو یہ مسئلہ نمٹ جائے گا۔ لیکن یہی ایک مسئلہ تو نہیں ہے۔ بہت خطرناک صورتحال ہے اور بعض دفعہ مایوس کن لگنے لگتی ہے۔

میرے خیال میں زوال مکمل ہو گا۔ ابھی اس پہ بریک نہیں لگے گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دین معاشرت نہیں بن سکا، اس وجہ سے ہمارا ہر دینی تصور چاہے وہ اس دنیا سے متعلق ہو، چاہے ہماری ذات سے متعلق ہو، چاہے آخرت سے تعلق رکھتا ہو، وہ utopian ہے، ایک romanticization ہے، اور ناممکن حد تک مکمل اور سادہ ہے۔ مطلب وہ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم نے کچھ چیزیں رٹ رکھی ہیں، بس انہیں بولتے رہتے ہیں۔

کیوں؟ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے دین اور سوسائٹی کا تعلق قائم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش صدیوں میں نہیں کی۔ ہم نے دین کو state oriented رکھا، یا personal matter رکھا۔ اور سوسائٹی میں لوگوں کے درمیان بڑا اور چھوٹا بنانے والے جو معیارات ہیں، وہ کبھی دینی نہیں رہے۔ اور مذہبی علم corrupt ہوگیا، اور سب سے زیادہ ذمہ دار ہے مذہبی نظامِ تعلیم، صدیوں سے۔ اس نے "العلم مخافہ" کی اصل کو سب سے زیادہ دھندلایا ہے۔ فنون اور یہ سب چلتا رہا اور اس میں بھی مبتدیانہ رسائی، وہ بھی آخر تک نہیں۔ ختم، سب ختم! بہت زیادہ "ذہنیت" اس میں بھر کے، دین کو آپ نے انتہائی مصنوعی بنا دیا۔ دین کو آپ نے over simplify کر کے بہت زیادہ غیر فطری بنادیا۔ مطلب ہر چیز کا آپ کے پاس حل ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ کسی نے کہا کہ بھئی میرے حالات بہت خراب ہیں، انہوں نے کہا آؤ اسلام کے پاس ہر چیز کا حل ہے! کیا بے وقوفی کی باتیں ہیں۔ مطلب آپ اسلام کی جو قوت و تاثیر اپنے بھائیوں کو بتا رہے ہیں، وہ اس کو قصہ کہانی سمجھ کے قبول کر

لیتے ہیں۔ وہ بھی یہ بات جانتے ہیں لیکن کہہ نہیں پاتے۔ یا ر یہ کوئی جادو کی چھڑی اللہ میاں نے ہمیں دے دی ہے؟ دین جادو کی چھڑی بننے کے لیے آیا ہے اس دنیا میں؟

ایک humanity ہے political تصور ،ایک humanity ہے نفسیاتی تصور، کہ ہمیں اپنے ایک معیار انسانیت کو بلند کرنا ہے اور معیار انسانیت جو ہے، یعنی انسان ہونے کی quality ، وہ صرف ذہانت اور اخلاق کا نام ہے۔ یہ ہماری سب سے بڑی دینی ضرورت ہمشہ سے ہے۔ لیکن آج اس کا ضرورت ہونا بہت بھیانک طریقے سے واضح ہوا ہے۔ آپ اچھے آدمی نہیں ہیں ناں، تو آپ کی باتیں بے اثر ہیں۔ آدمی کا اچھا ہونا ایک معاشرتی حقیقت ہے، کوئی نظریاتی اصول تھوڑی ہے۔ سیدنا عمرؓ جو بالکل پیغمبرانہ بصیرت کے وارث، بلکہ وارث اعظم تھے۔ یعنی دنیا میں کوئی غیر نبی ایسے prophetic vision کا نہیں ہوا جو سیدنا عمرؓ ہیں۔ تو وہ فرمایا ناں، ایک آدمی کی کسی نے تعریف کی کہ نماز بہت پڑھتا ہے، روزے بہت رکھتا ہے۔ انہوں نے سختی سے کہا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ تم اس کے پڑوس میں رہے ہو؟ تم نے اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا؟ کہنے لگا نہیں۔ کہنے لگے خبردار آدمی کی تعریف اس کے روزے، نماز سے نہیں ہوتی، اس کے معاملات سے ہوتی ہے۔ معاملات کا مطلب کیا ہے؟ کہ اعلیٰ اخلاق پر ہمارا ایسا نظام العمل جو حکم کے صحیح فہم کے ساتھ ہو۔ حکم کے صحیح فہم کے لیے ذہانت ضروری ہے، اور اس سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اخلاق ضروری ہے۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ ابھی زوال مکمل ہو گا، تو آپ کے خیال میں امید کی کوئی کرن نہیں ہے؟ کیا اس سے دینی آدمی کا مورال ڈاون نہیں ہو گا؟

جواب: نہیں! نہیں! ہمارا مورال ڈاؤن نہیں ہوا۔ ہم تو اس پہ یقین رکھتے ہیں۔ میں اس پہ یقین رکھتا ہوں کہ زوال کا یہ cycle مکمل ہو گا۔ کیونکہ یہ ہماری شامت اعمال ہے، یہ اللہ کی طرف سے آیا ہوا عذاب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس دین کی حفاظت میں اس دین کے ماننے والوں کی بقاء کی ضمانت شامل ہے۔ تو اس وجہ سے مایوسی نہیں ہے۔ یعنی اگر اللہ نے اسلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے، تو اس میں مسلمان تو خود بخود شامل ہیں، اسلام کوئی فضا میں لکھی ہوئی تحریر کی طرح تھوڑی رہے گا۔ یا کفار کے ہاتھ میں موجود مصحف کی طرح تھوڑی رہے گا۔ وہ تو میرے ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن ہم لوگ گئے۔ تو ایک سطحی جدیدیت آئے گی، یا ایک کاٹ کھانے والی قدامت آئے گی۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: "زوال یقینی ہے مگر لعنت ہو اس پر جو اس زوال کا ذریعہ بنے!"

کچھ نہیں رہا آپ میں، پہلے اس بات کو تو realize کر لیں۔ جدیدیت بھی آ گئی ہے اور کاٹ کھانے والی "قدامت" بھی۔ دونوں آ گئی ہیں! دونوں ہی کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ دیکھیں وہ جارح قدامت والے تو خودکش حملہ کر رہے ہیں، سطحی جدیدیت والے دیگر کش حربے استعمال کر رہے ہیں، جس سے دوسرے مارے جائیں!

تو اصولی بات بہر حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی انسانیت کو معیاری بنانا چاہیے۔

* *

نوٹ: یہ مضمون احمد جاوید صاحب کی ایک گفتگو سے ماخوذ ہے جو انہوں نے ۲۴ر ستمبر سنہ ۲۰۰۹ کو لاہور میں کی۔

* * *